رجسٹرڈ نمبر ل ۲۰۳۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حب وطن از ملک سلیمان خوشتر — خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر
یوسف کہ بمصر بادشاہی می کرد — می گفت گدا بودن کنعان خوشتر

پانزدہ روزہ

کاکوری اخبار

سالانہ چندہ	۲
فی پرچہ	۱/

جلد | کاکوری، چہارشنبہ ۱۰؍ جولائی ۱۹۱۹ء مطابق ۲۰؍ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ | نمبر ۶

آم

از میر ندر علی صاحب درد کاکوروی

آم کی درد کیا لکھوں تعریف — غیر ممکن ہے واقعی توصیف
کوئی غالب بڑھ کے آتو سکا — نظم میں وصف لکھ نہیں سکتا
لیکن احباب کا ہوا اصرار — اس لئے لکھ رہا ہوں یہ اشعار
خلد سے حضرت آدم آئے تھے — غالباً اس کو ساتھ لائے تھے
حضرت آدم کا ہند مسکن تھا — ہندی میوہ بنا ہے نام اسکا
باغ جنت کے سارے میوؤں کی — سمٹ آئی ہو اس میں شیرینی
اس بہشتی ثمر کو کیا کہئے! — سر بسر قدرت خدا کہئے
قدرتی مُہر - یا ہے ڈبیہ لگی! — شہد سے ہے بھری ہوئی کپّی
باغباں اس کا عاشق نکو ہیں — خود ہے فرہاد اور یہ شیریں
پھل ہو ایسا کہاں ہمیں دکھلائیں — جسکو منہ سے لگا کے پھر کھائیں
تھا ازل میں جو چشمۂ شیریں — آم اس کے حباب ہیں رنگیں
منکروں نے اس کی مدح جو کی — قند سے ہوگئی شکر رنجی!
آم کا گر ہو جانِ شیریں نام — ہو نہ فرہاد کو کچھ اس میں کلام
اس کی پوچھو بیان اگر لذت — تلخ ہو زعفران کا شربت
رس جو شیریں ہے ارغوانی ہے — پھر جنت کی زعفرانی ہے
ذکر گاجر چنے کے حلووں کا — اور ڈبل روٹیوں کے کردن کا
سچ اگر پوچھئے تو ہے بے جا — آم کے رس سے انکو نسبت کیا
سارے میوؤں میں انتخاب ہے یہ — سب ستارے ہیں آفتاب ہے یہ
اصل قوت کو یہ بڑھاتا ہے! — فربھی ساتھ ساتھ لاتا ہے
خفقان - سر کا درد اور اسہال — ہے ان امراض کا علاج کمال
سانس چڑھنے کو اور کھانسی کو — کھولتا ہے گلے کی پھانسی کو
منہ سے بدبو بھی دور ہے کرتا — رنگ بھی کھولتا ہے چہرے کا
گرچہ ہے دیر ہضم لیکن شیر — بدرقہ اس کا ہے یہ ہر تقدیر
کھالیا جس کسی نے ایک بھی آم — ہوا شیریں دہان و شیریں کلام
اسکی شیرینی کچھ نہ تم پوچھو!!! — بھولے فرہاد اپنی شیریں کو
ہم مٹھاس اسقدر کہ لب بند ہوجائیں — درد اللہ دے تو جی بھر کھائیں

ایک یاد!......سے

برسات کی ایک بھیگی رات میں، جب ہلکے ہلکے بادل آسمان پر چل پھر رہے تھے، اور خوبصورت چاندنی اور نورانی شعاعیں برسا رہا تھا۔ شبنم تمہارے سیاہ بالوں پر موتیوں کی طرح جم رہی تھی۔ تمہارے حنائی، مرمریں ہاتھ بار بار جھک آنیوالی زلفوں کو برابر ہٹا رہے تھے۔ تمہاری سرگیں آنکھیں کسطرح اور کسطرح ایک مرکز پر جم کر رہ گئی تھیں۔ جب تم نے ہماری محبت کی مشکلات کی تشریح کرتے ہوئے حسین لبوں کے بوسۂ الفت کا اعزاز مجھے بخشا تھا۔ آجتک اس رات کی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کاکوری اخبار

جلد ۳	کاکوری ۱۶ر جولائی سنہ ۸۱ء چہار شنبہ	نمبر ۶

عرس کرامت علی میاں

حضرت مخدوم نظام الدین بھیکہؒ کی اولاد میں حضرت شاہ کرامت علیؒ قلندرؒ بڑے پائے کے بزرگ گذرے ہیں۔ انکا وصال ۴ جمادی الآخر ۱۲۷۳ھ کو ہوا تھا۔ حضرت شاہ صبغت اللہ قلندرؒ کے مرید تھے تعلیم و تربیت کے بعد اجازت و خلافت حضرت شاہ میر محمد قلندرؒ برادر خورد حضرت شاہ کاظم قلندرؒ سے تھی۔ کرامت علی میاں کی طبیعت بچپن سے فقر و درویشی کی طرف مائل تھی۔ مذکور الصدر بزرگان دین کی صحبت اور تعلیم و تربیت سے دل میں عشق الٰہی کا دریا موج زن ہوا علائق دنیا سے قطع تعلق کرکے گوشۂ قناعت اختیار کیا۔ پیر و مرشد حضرت شاہ صبغت اللہ کا وصال ہو چکا تھا ان کے مزار پر جاروب کشی شروع کردی۔ حضرت شاہ میر محمد قلندرؒ نے لباس فقر عطا فرمایا جب سے پیر و مرشد کے آستانہ پر مستقل سکونت اختیار کرلی اور ہمہ وقت یاد الٰہی میں مشغول رہتے۔ مجاہدۂ نفس میں یکتا اور ہمیشہ صائم رہتے تھے۔ ان کے کرامات بہت سے مشہور ہیں۔ آخر عمر میں جذبی کیفیت میں ترقی ہو گئی تھی۔ وفات کے بعد ان کے مخلص مرید مولوی محمد محسن مغفور نے روضہ بنوایا اور شاہ منصب علیؒ مرید و خلیفہ نے سالانہ عرس کی بنا ڈالی جو تین دن بڑے دھوم دھام سے ہوتا رہا۔ منصب علی شاہؒ کے خلیفہ نجف شاہ نے عرس کو بہت فروغ دیا۔

مولوی محمد محسن مرحوم بھی مالی امداد فرماتے تھے۔ بڑی شان سے گاگر اٹھتی تھی اور پانچ۔ چھ محفلیں سماع کی ہوتی تھیں اچھے اچھے قوال آتے تھے تمام اہل برادری شریک ہوتے تھے، میلے میں خوب جماؤ ہوتا تھا۔ اب کچھ عرصے سے میلہ و عرس بے رونق ہو گئے ہیں۔ مولوی محمد محسن مرحوم کے یہاں کی امداد بند ہو گئی کرامت علی شاہؒ کی اولاد میں نہ کوئی اہل دل رہا اور نہ دلچسپی باقی ہے۔ صرف ایک دن فاتحہ انکی اولاد کی جانب سے ہو جاتا ہے۔ گاگر وغیرہ کا انتظام کچھ عوام چندہ سے کرتے ہیں شاید کوئی سماع کی محفل بھی ہو جاتی ہے جس میں تھوڑے آدمی جمع ہو جاتے ہیں اہل برادری میں شاذ و نادر ہی کوئی شرکت کرتا ہے۔ میلے میں چند مقامی دوکاندار آجاتے ہیں۔ پوری کباب اور مٹھائی کی کچھ بکری ہو جاتی ہے۔

افسوس ہے کہ یہ مواقع قصبہ کی صنعت و تجارت کو فروغ دینے کے ہوتے جو ہماری بے توجہی کے شکار ہو رہے ہیں وہ بیچارے غریب جو چندہ سے عرس کا انتظام کرتے ہیں انکی حوصلہ افزائی کی جائے اور تھوڑے مصارف برداشت کئے جائیں تو بھی عرس و میلہ کافی ترقی کر سکتا ہے۔ پورانی عمارات سب ایک ایک کرکے گر گئیں۔ احاطہ کی دیوار بھی زمین کے برابر ہو گئی تھی جس کو حال میں حضرت کے اولاد کی دو مقتدر خواتین نے کافی رقم صرف کرکے پختہ بنوا دیا ہے۔ افسوس اب قصبہ میں وہ زمانہ آگیا ہے کہ ہمارے بزرگوں کی شان عوام کی توجہ سے کچھ قائم ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

نقوش

قصبہ میں صفائی:۔ بجواب ہمارے نوٹ مورخہ ۲ جون سنہ ۸۱ء چیرمین صاحب ٹاون ایریا کمیٹی کاکوری اطلاع دیتے ہیں کہ باوجود قلت سرمایہ امسال کمیٹی نے دو دستی ٹھیلوں کا انتظام کیا ہے جسکے ذریعہ قصبہ سے کوڑا اٹھایا جائیگا۔ اور ۲۵ مقامات ٹاون ایریا کی جانب سے کوڑا ڈالنے کیلئے مقرر کر دیئے گئے ہیں جہاں تختیاں بھی لگا دی جائینگی ان مقامات کے علاوہ اگر لوگ دوسری جگہوں پر کوڑا ڈالتے رہینگے تو

مستوجب سزا ہوں گے۔ کوڑا ڈالنے کے لئے جو جگہیں تجویز ہوئی ہیں اُنکے متعلق بذریعہ ڈہل منادی کرادیگئی ہے اور نوٹس بورڈ پر اشتہار بھی چسپاں ہے۔ اُن جگہوں سے متعلق تحریری عذرداریاں ۲۰ر جولائی سنہ ۱۹۴۱ء تک دفتر ٹاؤن ایریا میں پہونچ جانا چاہئے۔ جیسا کہ چیرمین صاحب نے اپنی تحریر میں ہم کو صفائی قصبہ کے متعلق یقین دلایا ہے کہ انتظام کیا جارہا ہے تو پبلک کمیٹی کے شکرگذار ہوگی کہ اُس نے قصبہ میں صفائی کی جانب توجہ کی۔ خدا کرے یہ اسکیم جس کا خاکہ ہم کو بھیجا گیا ہے جلد عملی صورت میں ظاہر ہوکر کامیاب ہو۔ ممبران متعلقہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور قصبہ کے لوگوں کی شکایات دفع ہوں۔ آخر میں ہم یہ بھی کہنا چاہتے کہ پبلک کو بھی کمیٹی کے ساتھ اتحاد عمل کرنا چاہئے اور اپنے یہاں کی شکایات کی اطلاع چیرمین صاحب کو دیتے رہیں محض اپنی جگہ پر بیٹھکر طبع آزمائی کرنا یا ممبران کمیٹی کو صلواتیں سنانا مناسب نہیں۔

جنگ کا بائیسواں ہفتہ

از تماشائی علوی کاکوروی

موجودہ دور کی ترقی یافتہ مسیحی دنیا مانے یا نہ مانے لیکن واقعات کی رفتار یورپین اقوام کو بالعموم اور انگریزوں کو بالخصوص اس مرکز کی طرف دوبارہ لارہی ہے جس سے گریز روحانی تنزل کا ایک اولیٰ شاخسانہ تھا اور جس نے مادیت اور دہریت کو اجاگر کرکے قومیت کی عمارت کے بنیادی پتھروں کو غیر متوازن کردیا تھا۔ قدرت انکی بے باکیوں پر چشم پوشی کرتی رہی اور انکی کاغذی ناؤ کو جو دنیا ملاحوں کے ہاتھوں سمندری تھپیڑوں سے مقابلہ کرنے کیلئے بھیجدیا۔ برطانوی تدبر کے پرخچے اڑنے لگے۔ دیماقراطیت جمہوریت اور شہنشاہیت کی کشتی بھنور میں پھنس گئی۔ محافظ دین دولت کا سفینہ ڈگمگانے لگا اور برسوں کی ساکھ کو دھکا لگا تو رحمت حق کو جوش آیا۔ جلیل القدر اسلاف کی نیکیاں آڑے آئیں اور بائیسویں جون یوم السبت کا مبارک آفتاب برطانیہ کے حق میں فرشتہ نجات بن کر طلوع ہوا!!

جمہوریت کے دشمن۔ امن و امان کے ڈاکو اور قتل و غارتگری کے دیوتا ہٹلر نے اپنے دمساز۔ یار وفادار اسٹالن سے اختلاف کرتے ہوئے وہ کر دکھایا جو عقل یقین کرنے کیواسطے ہرگز تیار نہ تھی فنلینڈ سے لے کر بحیرہ اسود تک تقریباً ایک ہزار پانچسو میل کے محاذ پر جرمن افواج کی پیشقدمی سے اپنے محسن کو اپنے غیض و غضب کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھا دیا کہ جسکی چشم پوشی کی بدولت بحیرہ بالٹک سے بحیرہ روم اور رودبار انگلستان سے بحیرہ اسود تک کا علاقہ دیکھتے ہی دیکھتے نازی حکومت کا تختہ مشق بن گیا ــــــ!

ہٹلر کی اس حرکت نے جرمنی کی سابقہ تاریخ کا اعادہ کیا اور دنیا کو بھولا ہوا سبق دوبارہ یاد دلایا کہ اتحاد و یگانگت کی سنہری زنجیریں چشم زدن میں رقابت و دشمنی کے زہریلے سانپوں کی ہمشکل کیونکر بن سکتی ہیں اہل نظر روسی جرمنی اتحاد کو کبھی پائدار تسلیم نہ کرتے تھے لیکن تنگ نظروں کی پیش قیاسیاں صحیح ثابت ہوئیں اور اس موقعہ پر دور اندیشوں کی گردن جھک گئی!

یوں تو یونان کے خاتمہ کے بعد ہی مطلع غبار آلود تھا۔ "ہواگھر" کے افسروں نے قرائین اور مشاہدات سے آنے والے طوفان کے متعلق شکوک و شبہات کا اظہار کر دیا تھا۔ کیونکہ جرمن افواج پولینڈ۔ سلواکیا اور رومانیہ کی روسی سرحدوں پر جمع ہونا شروع ہوگئیں تھیں۔ فنلینڈ میں جرمن افواج کے روز افزوں اجتماع سے خائف ہوکر برطانوی ناخداؤں نے اس بے بس ملک کی ناکہ بندی کی ضرورت محسوس کرلی تھی۔ بلغاریہ اور ہنگری کے سپاہیوں نے نازی سرپرستی کے تحت کھوئے ہوئے علاقوں کی واپسی کا مطالبہ شدت سے شروع کردیا تھا اور جرمن ہوابازوں نے برطانوی سرزمین پر بمباری میں کفایت شعاری سے کام لیا تھا۔ لندن اور امریکن اخباروں نے بھی جرمن افواج کی خفیہ نقل و حرکت کو تاڑ لیا تھا

لیکن اس کے باوجود وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی دشمن کی ایک شاطرانہ چال ہے مبادا بلائے آسمانی کے مانند ناگہانی طور پر برطانیہ کے عرض و طول پر چھتریوں اور بم انداز طیاروں کے بادل چھا جائیں اور آگ و دھویں کی موسلا دھار بارش کاروبار تعطل میں ڈال کر قوم کو سخت ترین آزمائش میں مبتلا کر دے۔!!!

دنیا جانتی تھی کہ ایسے نازک موقعہ پر جرمن قوم کا پیشوا کسی قیمت پر بھی استالن سے جنگ مول لے کر روس کی اخلاقی اور معاشی امداد سے خود کو محروم نہ کرے گا۔ لیکن یوم الست کے روز بستروں پر سے لوگ اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ برطانوی مملکت اور دنیا کے ہر گوشہ میں مشرق سے مغرب تک کوئی فرد و بشر ایسا نہ تھا جو جرمن افواج کی پیشقدمی اور یوکرین کے صنعتی خطہ کو بزور شمشیر ہضم کر لینے کی خبر سن کر انگشت بدندان نہ رہ گیا ہو! روایت کو درایت کی کسوٹی پر کسنے کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہٹلر کا روس سے یہ مطالبہ تھا کہ بحر بالٹک کے جہاز سازی کے مرکز جرمنوں کے حوالہ کر دئے جائیں۔ اور "سرخ فوجیں" جنوبی مغربی روس سے بارہ پتھر باہر ہو جائیں تاکہ یہ مال غنیمت جرمن قوم کی جنگی سعی میں مفید ثابت ہو سکے۔ لیکن کوئی آزاد قوم ایسی خودکشی پر آمادہ نہیں ہو سکتی اور جابرین استالن کے ایسے موقعہ شناس اور صلح کن شخص نے بھی سر تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیا۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ ہٹلر اپنے مطالبات کو بجبر تسلیم کرانے پر مجبور ہوا۔!!

فنلینڈ کے معرکوں میں روسی افواج کی نمایاں کمزوری اور جنگ فرانس و یونان میں جرمنوں کی محیر العقل کامیابیوں کے زعم میں ہٹلر کو یقین ہے کہ وہ "سرخ افواج" کو آناً فاناً فنا کے گھاٹ اتار دے گا۔ مزید برآں اس کا محوری حلیف جو جنوبی مشرقی ایشیا میں موقع کی تاک لگائے بیٹھا ہے اشارہ پاتے ہی سائبیریا کو دبا کر ایشیا کا مالک بن بیٹھے گا۔ یورال کے قیمتی خزانے اور کوہ قاف کا معدنی تیل یوکرین کے صنعتی ملحوبہ کے ساتھ "عظیم تر" جرمنی کے باشندوں کی جنگی اسپرٹ کو زندہ رکھنے میں معاون ہوں گے۔ لیکن ہٹلر کو اپنی عسکری برتری کے غرہ میں شائد یہ خیال نہیں رہا کہ اس کے خفیہ ہتھیار بھی جرمنی والی فرجون کا موجد اور جرمن قوم کا استاد ایسا ناعاقبت اندیش نہیں ہو سکتا جس نے اپنے شاگرد رشید کو تمام گر سکھا دینے کے بعد ذاتی مدافعت کے لئے کوئی نہ کوئی کامیاب حربہ محفوظ نہ رکھا ہو۔!!!

روس کی فضائی قوت۔ اس کے مختصر مگر خوفناک دبابے طیارہ شکن توپیں۔ فولادی کارخانے اور پٹرولیم کے چشمے اس قدر زبردست ہتھیار ہیں جو سابقہ معرکوں کے برعکس ایک طرف جرمنی کو برطانوی گھونسوں کی زد میں رکھ کر دوسری جانب روسی سرخ طمانچوں کے درمیان ایسا پیس سکتے ہیں کہ نازی نظام باقی نہ رہ سکے۔ فی الحال "اسٹیلین لائن" کی فولادی دیوار پر مقابلہ ہے۔ اسکا نتیجہ آئندہ ظاہر ہوگا۔ فقط مورخہ ۹ جولائی ۱۹۴۱ء

فانوس خیال

(از ناظر کاکوروی)

گذشتہ سے پیوستہ

میں اسوقت مشکل سے ۹ سال کی ہونگی بادشاہ بیگم کی خواص افضل محل نے مجھکو محل میں چھپا دیا۔ قصہ کون بیان کرے بادشاہ بیگم الماس باغ چلی گئیں اور میرے والد بڑے آغا کو جو بنارس میں رہتے تھے بلا کر الماس باغ میں ڈیوڑھی کا داروغہ کیا۔ منا جان جنکو بادشاہ بیگم نے نہایت لاڈ و پیار سے پالا تھا۔ تھے ولیعہد لیکن شاہ زمن غازی الدین حیدر نے اُن کو بادشاہ نصیر الدین حیدر کا بیٹا ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ سب جھگڑے انھیں آنکھوں نے دیکھے ہیں۔ ملکہ زمانی کا دور دورہ تھا۔ کیوان جاہ ولیعہدی کیلئے نامزد ہوئے تھے لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا نہ منا جان بادشاہ ہوئے اور نہ کیوان جاہ بادشاہ محمد علی شاہ ہوئے اور بادشاہ بیگم چنار گڈھ کے قلعہ میں قید کر دی گئیں۔

بیگم رونے لگیں۔ ہچکی بندھ گئی۔ اُس کے بعد کیا ہوا۔

تم دیکھ رہے مقدر کا لکھا تھا — کون ٹال سکتا تھا —

بیگم کو بڑے حیرت و استعجاب سے میں دیکھ رہا تھا۔ فوراً دادی جان سے جو قصہ بچپن میں سنا تھا یاد آگیا کہ بلقیس زمانی بیگم نواب عبدالسلام خان سیادت جنگ کی پوتی تھیں اور یہ لوگ محل میں بنارس کی پرانی عدالت میں کہیں رہتے تھے نواب سعادت علیخان سے اس خاندان کے تعلقات تھے غدر تک یہ لوگ لکھنؤ میں رہے تھے ابو طالب خان کے خاندان کے لوگ اب بھی بنارس میں رہتے ہیں لیکن بہت پریشان۔ بلقیس بیگم بہت حسین و جمیل تھیں غدر سے کچھ دن پہلے ایک دن وہ اپنے ڈیوڑھی بان کے لڑکے نیاز محمد خان کیساتھ جو کمپنی بہادر کے فوج میں نوکر تھا غائب ہوگئیں تھیں۔ یہ واقعہ لکھنؤ و بنارس کے درمیان میں پیش آیا تھا شہری شرفا میں بڑا ہلچل پیدا ہوگیا تھا — اس حادثہ کو جاننے والے اسے بھول چکے تھے۔ برا کہنے والوں کی زبانیں تھک کر خاموش ہو چکی تھیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ نواب ابوطالب خان بھی اس واقعہ کو برداشت نہ کر سکے تھے مردانہ وار جان دی تھی۔ نیاز اس میں شک نہیں ہے ایک سپاہی زادہ تھا اور ایک کسان۔ لیکن نہایت درجہ وجیہ اور خوبصورت شہ سواری میں طاق تھا۔ اور بانکا جوان طرحدار — اس نے روایات نسبی کے خلاف بغاوت کی اور وہ بھی سنگیں — آقا زادی سے عشق کیا — دونوں کی نگاہیں ملیں دل ملے۔ لیکن زبانیں بند ہوگئیں — غدر کے ہنگامہ نے اس منظر پر پردہ ڈال دیا اور دنیا دو سچے محبت کرنے والوں کو بھول گئی اچھا بھی ہوا۔

"آپ کا نام بلقیس زمانی بیگم ہے"

ہاں بیگم نے بڑی مشکل سے کہا۔ اس کے مرجھائے ہوئے گالوں پر آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہوگئیں۔ دیر تک جوش سے وہ روئیں اور ہچکی بندھ گئی — پھر کانپتی ہوئی انگلی سے بڑے میاں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"وہ بھی ہیں"

بیگم کے انداز سے میں سمجھ گیا کہ وہ اب بھی محبت کے نشہ سے چور ہیں لیکن میں اعتراف ان سے سننا چاہتا تھا۔

بیگم صاحب آپ کو اپنی زندگی میں کبھی خوشی بھی نصیب ہوئی!

ہاں۔ میں انکی بدولت ہمیشہ خوش اور مطمئن رہی۔ بیگم نے بڑے اطمینان اور جذبۂ شکر سے سرشار ہو کر کہا۔

مین نے پریم کی اس زندہ دیوی پر عقیدتاً آنسوؤں کے موتی نچھاور کئے اور جوش عقیدت و فرط تعظیم میں انکا ہاتھ پکڑ کر پلنگ پر بٹھلا لیا۔ میرے جد امجد نواب عبدالسلام خان کے ڈیوڑھی خانہ میں ملازم رہ چکے تھے بہرحال مفلوک بیگم میری آقا زادی ہی تھیں اسوقت میرے دل میں عجیب غریب خیالات موجزن تھے۔

اللہ اکبر۔ یہ محلوں میں پلی ہوئی بیگم ایک غریب کسان زادہ کیساتھ خود سراپا کسان بن گئی۔ ایک ایسی سادہ زندگی اختیار کی جسمیں نہ کوئی شان تھی اور نہ شوکت نہ آرام تھا اور نہ چین۔

ایک زمانہ تھا کہ سیکڑوں جیسے والیان نادرہ زمانہ شہرۂ آفاق محبوبی میں طاق محل میں نوکر تھیں ہزاروں خادمائیں پرکالۂ آفت روش خرام بیگم کے ایک ایک حکم پر جان دینے کے لئے تیار تھیں جیسے ستاروں میں قمر کے جلوے اسیطرح نواب عبدالسلام خان سیادت جنگ کی سواری نکلتی تھی یا آج یہ انقلاب تھا کہ انکی پوتی بلقیس بیگم پر غربت اور افلاس مسلط تھا اور آج بھی جب وہ موت کی آخری منزل پر گامزن تھیں — ان انقلاب عالم سے قطعاً ناآشنا — محبت کرنے والے انسان کے ساتھ خوش تھیں اور محبت کے نشے میں سرشار۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ ایک قابل عزت درباری کی چہیتی پوتی، ایک معزز عہدہ دار کی بیٹی دنیا کی سرد و گرم سے اسقدر آشنا ہو چکی تھی کہ جنگل میں موٹا جھوٹا پہنتی دال دلیا زمین پر بیٹھ کر شکر کر کے کھاتی لیکن اپنے انتخاب پر آخر وقت تک شرمندہ نہ تھی۔ اس نے ایثار قربانی کا لافانی معیار قائم کر دیا تھا۔ محلوں کے عیش و عشرت کو محبوب کی خاطر خوشی سے تج دیا تھا۔ اور بوڑھے حبیب کے ہر سکھ دکھ میں برابر کی شریک تھی۔

یہ طویل مدت اور زمانہ کی گردش اس کے جوش محبت کو سرد نہ کر سکی

اور نہ کوئی مصیبت اس کے پائے استقلال میں لغزش لا سکی۔ بیگم کو کبھی نہ اپنے زیورات کا قلق ہوا نہ کارچوبی مخملی ملبوسات شاہی یاد آئے اور نہ قصر جمیل کے روح افزا مناظر۔!

۔۔۔جب تک بڑے میاں اس کے پاس موجود رہیں وہ ساری کائنات سے بے نیاز تھی۔

اللہ اکبر! محبت! تیرا نشہ کسقدر تیز اور تند ہے۔ بلقیس بیگم نے اپنی جوانی کی ترنگ میں محل کی رو پہلی و سنہری دنیا کو چھوڑا ماں باپ سے منھ موڑا اور ایک ویرانہ آباد کیا یہی محبت کا دیوتا اس پجاری کے لئے سب کچھ ہوا یہی اسکا بادشاہ تھا۔ اور یہی اسکی دنیا۔ سچ ہے میخانہ سے جو نکلے تو دنیا بدل گئی۔ اسکی آنکھ کا نور نیاز تھا۔ اسکے دل کا سرور نیاز تھا۔

اگر بلقیس بیگم شاہ اودھ کے محل میں بھی نباہ کر جاتیں تو یقیناً انکو یہ حقیقی خوشی اور عیش نصیب نہ ہوتا۔ بدن تو بیش قیمت جواہرات اور نفیس ملبوسات سے بے شک ڈھکا اور لدا ہوتا لیکن ہائے ــــ دل پر کسکی حکومت ہوتی؟

میں گھنٹوں انھیں خیالات میں غلطان پیچان رہا۔ آج بھی بڑے میاں کا پیر پھیلا کر عافیت سے سونا یاد آتا ہے حقیقتاً وہ خوش نصیب تھے کیونکہ وہ ایک باوفا عورت کی محبت کے واحد مرکز تھے۔

مجھکو اس سارے واقعہ پر بے حد خوشی تھی۔ میں نے زندگی میں محبت کے دیوتا اور اسکی سچی پجارن کو جھنوں کی مسجد کے متصل ایک کچے جھونپڑہ میں دیکھا تھا۔ میں نے بڑے احترام و عقیدت سے ان دونوں عاشقوں کو سلام کیا اور اٹھ کر گنج کی سڑک پر چلا گیا ــــ

حسن۔ جلیل صاحب کی داستان دلچسپ اور حیرت ناک بھی ہے لیکن مولف داستان کا شاہکا معلوم ہوتا ہے۔

ضیا ا۔ اس قصہ کا مجھ پر بہت اثر ہوا ہے۔ میں افسانے بہت کم پڑھتا ہوں اور داستانیں شائد سنتا ہوں لیکن بلقیس و نیاز کی داستان نے مجھکو مبہوت کر دیا۔ عجیب بات ہے کہ حبیب ہمارے نیاز صاحب کے ہم نام ہیں اور محبوب بھی ــ

نیاز۔ بلقیس کا کردار یقیناً قابل غور ہے۔ ایثار اور خود فراموشی اس کو کہتے ہیں ــ

اکبر۔ بلقیس ایک الھڑ اور بے وقوف لڑکی تھی ـ اس کا کردار شرمناک ہے۔ خاندان کی ناک کٹوا دی۔ ایسی عورت کو گولی مار دینا چاہئے کوئی مذرت نہیں ہے۔

ضیا ا۔ یہ زیادتی ہے۔ بلقیس کا کردار غور طلب ہے۔ بہر حال اس نے جو راہ عمل اختیار کی غلط ہی سہی لیکن زندگی تو سکھ میں گذار دی۔

حسن۔ میرے خیال میں تو بلقیس بیگم کی ہمت پست تھی عادات خراب مقصد حیات معمولی اور اسکی امیدیں بھی وحشی انسانوں کی طرح محدود تھیں اس نے اپنے ماں باپ کی عزت کو خاک میں ملا دیا۔ (باقی آئندہ)

وطن کی خبرین

نوٹ:۔ اعزہ احباب اور جملہ اہل وطن سے جو باہر ہیں خواہ وطن مین گذارش ہے کہ اپنے یہاں کی قابل اندراج خبرین اور اطلاعات دفتر میں روانہ کر کے مشکور کرتے رہیں ۔ اڈیٹر

موسم:۔ ۲۰ جون کے بعد بارش بالکل نہین ہوئی۔ ابر آسمان پر آتا ہے اور نکل جاتا ہے۔ بعض بعض دن فضا میں گھنٹوں غلیظ ابر محیط رہتا ہے لیکن پانی نہیں برستا۔ اس طرف گرمی و حبس کی تکلیف تو نہیں رہی۔ خنک ہوائیں چلتی رہیں لیکن دھوپ میں سخت حدت ہوتی ہے بعض بعض روز تمام دن اور رات کو بھی تیز ہوا چلتی رہتی ہے۔ بارش نہ ہونے سے مخلوق بہت پریشان ہے اجناس بھی گران ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالے اپنا فضل و کرم فرمائے اور باران رحمت ہو۔ خدا کا شکر ہے ۱۵ جولائی کو آج ہوا۔ امساک باران اور دھوپ سخت ہونے کی وجہ سے بعض بعض محلوں میں موسمی شکایات پیدا ہو جانے کی اطلاع ملی ہے ٹیکے لگائے جا رہے ہیں اور کنوئیں دوائیں ڈالنے کا انتظام بھی

لاون اربا کی جانب سے کیا گیا ہے۔ اللہ جل شانہٗ اپنا فضل وکرم اور سب کو محفوظ و مامون رکھے۔

ولادت:۔ (۱) رام پور سے اطلاع آئی ہے کہ ۱۹؍ جون ۱۹۴۱ء کو پروفیسر شیخ اصغر عیسےٰ عباسی ایم۔ اے۔ کے گھر میں فرزند تولد ہوا۔ اللہ تعالےٰ مبارک فرمائے اور مولود کی عمر دراز کرے اور صاحب اقبال ہو، زچہ و بچہ بخیریت ہیں۔

(۲) ۲۷؍ جون ۱۹۴۱ء کو منشی معزالدین حسین (حیلول ٹولہ) کے یہاں دختر کی ولادت کا حال معلوم ہوا ہے۔ خداوند کریم مبارک فرمائے اور بچی کی عمر دراز ہو اور نصیبہ ور ہو۔

معاودت وطن و واپسی:۔ معلوم ہوا ہے کہ مولوی حامد حسن علوی اورنگ آباد سے اور سید مظفرالدین احمد حیدرآباد سے منشی نذیر احمد مرحوم کی بیوہ کے پاس لکھنؤ میں بغرض تعزیت آئے تھے ایک ایک دن ٹھہر کر واپس گئے۔ منشی حبیب احمد علوی بھی تعزیت کے سلسلہ میں چند گھنٹوں کے لئے معہ اپنی اہلیہ کے فیض آباد سے آئے تھے۔ وہ تمام حضرات جو بسلسلہ تعطیلات گرما وطن آئے ہوئے تھے اپنے اپنے مستقر پر واپس گئے۔

ملازمت:۔ اطلاع ملی ہے کہ منشی صدیق احمد صدیقی ایم اے خویش منشی عرفان حسین مرحوم مئو کالج اندور میں پروفیسر مقرر ہو کر گئے ہیں اللہ تعالےٰ مبارک کرے

تقریبات:۔ اطلاع ملی ہے کہ بابو رام سنگھ خلف چہارم بابو گوکرن دیال سنگھ (آنجہانی) برگوتلہ کا عقد ۲۸؍ جون ۱۹۴۱ء کو بابو ست نرائن ساکن ہردوئی کی دختر سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔

(۲) ۳؍ جولائی ۱۹۴۱ء بروز جمعرات ۴ بجے شام کو بابو جگدمبا پرشاد (محلہ کانستھان) کی صاحبزادی کی بارات اورنگ آباد ضلع لکھیم پور سے آئی تھی اور اسی دن شب کو بابو فتح بہادر سنگھ خلف بابو رام بہاری لعل، نائب تحصیلدار کے ساتھ ہوا۔ بارات چار دن مقیم رہی اور باراتیوں کی خاطر مدارت و آرام آسائش کا معقول انتظام بابو جگدمبا پرشاد کی جانب سے کیا گیا تھا۔ رخصتی عروس ۷؍ جولائی ۱۹۴۱ء (اتوار) ۱۱ بجے دن کو عمل میں آئی ہم بابو جگدمبا پرشاد کو فرض سے سبکدوش ہونے پر دلی مبارکباد دیتے ہیں۔ ۵ رو ۶ جولائی ۱۹۴۱ء کی درمیانی شب میں بابو جگدمبا پرشاد نے باراتیوں کے علاوہ اپنی برادری و احباب کے ساتھ قصبہ کے مسلمانوں کی بھی بڑی پیمانہ پر دعوت کی۔ کھانا پکوان کی شکل میں متعدد اقسام پر مشتمل اور لذیذ تھا۔

(۳) بابو چندر بہال سنگھ (محلہ برگوتلہ) کی دختر سوئم کا بابو کرشنا نند (جو گورنمنٹ ہارنس فیکٹری، کانپور میں ملازم ہیں) خلف بابو بیکو لعل رئیس و زمیندار ضلع اوناؤ کے ساتھ ۲؍ جولائی ۱۹۴۱ء کو عقد ہوا، بارات موہن لعل گنج سے آئی تھی جس میں ۵۰ اشخاص شامل تھے عروس ۵؍ جولائی ۱۹۴۱ء کو ۹ بجے دن کے وقت رخصت ہوئی۔ ہم بابو چندر بہال سنگھ کو ادائے گی فرض پر ہدیہ تہنیت پیش کرتے ہیں۔

صحت و تندرستی:۔ اہلیہ قاضی راشد علیخان عباسی کو گذشتہ عشرہ میں حوالی گردہ کا شدید دورہ ہوا تھا، کئی دن تکلیف رہی، حکیم محمد اسماعیل خان کے علاج سے فائدہ ہوا اب بفضلہ تعالےٰ بالکل اچھی ہیں۔

(۲) آگرہ کی ایک تحریر سے یہ دریافت ہوا کہ خانصاحب حاجی انعام علی عباسی کی والدہ صاحبہ کو شدید بخار آگیا تھا اور جس کا سلسلہ کئی دن رہا جس نے اس بڑھاپے میں اور بھی ضعیف کر دیا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ بخار تو نہیں ہے اور ضعف میں بھی کمی ہو رہی ہے۔ خدا کرے اس عرصہ میں موصوفہ کی صحت بڑی حد تک عود کر آئی ہو۔

علالتیں:۔ (۱) حکیم تمکین الدین علوی (برگوتلہ) کو تقریباً دو ہفتہ سے شدید بخار آرہا ہے، روزانہ بعد دوپہر لرزہ سے تیز بخار آتا ہے۔ علاج ہو رہا ہے ابھی بخار میں کمی نہیں ہے۔ خدا کرے عزیز مذکور کو جلد صحت ہو۔

(۲) اہلیہ میر ثابت علی عباسی (محلہ قلعہ) کی طبیعت لکھنؤ کی لیڈی ڈاکٹر کے علاج سے رو باصلاح ہے اور تکالیف میں کمی بتاتی ہیں۔ دوبارہ معالج کو دکھانے لکھنؤ جانے کا امروز فردا میں قصد ہے اگر ضرورت ہوئی تو چند دن لکھنؤ میں قیام رکھیں

ارادہ ہے۔ خداوند تعالےٰ جلد شکایات رفع کر کے صحت کلی عطا فرمائے۔

متفرقات (۱) اطلاع ملی ہے کہ مولوی سلطان یاور علوی نے اہل قصبہ کو بروقت ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا نہ ملنے کی تکلیف کو محسوس کر کے اور مقامی مسلم لیگ کی اس ضرورت کو رفع کرنے کے لئے ایک دوکان بمقام میدان قلعہ کپڑے کی کھولی ہے جس میں ہر قسم کا زنانہ و مردانہ کپڑا ہاتھ کا بنا ہوا موجود ہے۔ رنگین و سفید گاڑھے کے اسٹاک کے علاوہ تولئے وغیرہ بھی ہیں ہمکو امید ہے کہ اہل قصبہ نہ صرف دیسی صنعت کی قدر کرینگے بلکہ اپنے ایک بھائی کی حوصلہ افزائی سے دریغ نکرینگے

(۲) کرامت علی شاہ کا عرس یکم جولائی ۱۹۴۱ء (۵ جمادی الاخر) کو شروع ہوا اور ۲ کو جناب شیخ فخر الحسن صاحب نے پلاؤ پر فاتحہ کر کے قصبہ میں تقسیم کرا دیا۔ میلہ کی وجہ سے دو دن محلہ میں چہل پہل ہوگئی۔ بکثرت عوام عورتیں مرد درگاہ پر حاضر ہوئے۔

(۳) احمد حسین اور انکے دونوں لڑکے جو فوجداری مقدمہ میں ماخوذ تھے اور ابتدائی عدالت سے سیشن سپرد کر دئے گئے تھے ۱۰ جولائی کو سیشن سے ۵ سال اور ایک ایک سال کیلئے سزایاب ہوگئے احمد حسین اور انکے چھوٹے لڑکے کو ایک ایک سال اور بڑے بیٹے کو ۵ سال کی سزا عدالت سیشن نے دی۔

(۴) ہر دلعزیز ڈاکٹر سید محمد ہاشم اپنی علالت کی وجہ سے تین ماہ کی رخصت پر ہیں اور انکی جگہ پر ایک پنشنر ڈاکٹر لکھنؤ سے کاکوری اسپتال میں کام کرنے آئے ہیں۔

(۵) سنا ہے کچھ ناگے (ننگے) فقیر آج کل قصبہ میں آئے ہوئے جو ہندوؤں سے بجبر روپیہ وصول کرتے تھے۔ اکثر غریب ہندو عوام انکے اس طرز عمل سے بہت شاکی پائے گئے۔

حادثات (۱) ہم انتہائی رنج و افسوس کے ساتھ یہ خبر درج کرتے ہیں کہ مولانا مفتی عنایت اللہ فرنگی محلی (بہنوئی منشی عبدالغفور صاحب، حافظ حسن نصاحب) کا ۲ جولائی ۱۹۴۱ء بروز یکشنبہ سوا سات بجے شام کو بمقام لکھنؤ قلب کی حرکت بند ہو جانے سے دفعتاً انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے آدمی تھے اور بہت ہی صلح کل اور نیکدل انسان تھے ہر شخص سے مخلصانہ ملتے اور غریب و امیر سے یکساں برتاؤ کرتے تھے علمی قابلیت بہت اچھی تھی اور نظامیہ مدرسہ فرنگی محل کے صدر مدرس تھے علم و عمل کے ساتھ سیاسیات میں بھی ماہر تھے۔ قومی و ملکی معاملات میں پوری دلچسپی و انہماک سے کام کرتے تھے صوبہ مسلم لیگ کے رکن مجلس عاملہ و ممبر آل انڈیا مسلم لیگ کے علاوہ ضلع وسٹی مسلم لیگ لکھنؤ کے روح رواں تھے۔ کاکوری مسلم لیگ سے مرحوم کو خاص دلچسپی تھی اور ہر دوسرے تیسرے مہینے مقامی لیگ کی جانب سے جو اجتماعات ہوتے تھے نہ صرف انھیں جلسوں میں شرکت کرتے تھے بلکہ سیرت کمیٹی وغیرہ کے اجلاسوں میں بھی شرکت کے لئے کاکوری آنے کی زحمت گوارا کرتے اور اپنے سیاسی و مذہبی تقریروں اور بیانات سے اہل قصبہ کو محظوظ کرتے تھے۔ کارکنان مسلم لیگ کاکوری کو اکثر نیک و صائب مشورے دیتے رہتے تھے اور انکی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ۷ جولائی ۱۹۴۱ء کو ۹ بجے مولانا کے رحلت کی خبر کاکوری پہونچی تھی اسی وقت اعزہ و احباب اور کارکنان لیگ تجہیز و تکفین میں شرکت کے لئے لکھنؤ روانہ ہوگئے۔ اور اکثر لوگ دفن میں شریک ہوئے اور جو ا... کو پہونچے انھوں نے مرحوم کے سوگوار صاحبزادوں اور اعزہ کے پاس جاکر پرسا دیا۔ کاکوری جب انتقال کی خبر پہونچی تو دفتر مسلم لیگ کا جھنڈا نصف بلندی تک اتار دیا گیا اور دارالمطالعہ و دفتر اس روز تمام دن بند رہا۔ اسی دن اکثر مساجد میں بعد نماز مغرب اور جمعہ کو بعد نماز مرحوم کی روح کو فاتحہ کا ثواب بخشا گیا اور دعائے مغفرت کی گئی۔ ہم خود و نیز اہل قصبہ کی جانب سے عموماً اور اراکین مسلم لیگ کی طرف سے خصوصاً مولانا مرحوم کی بیوہ، بوڑھی ساس صاحبزادوں، سالوں، بھتیجوں اور دیگر اعزہ سے اس سانحہ عظیم میں اپنی اظہار ہمدردی کرتے ہوئے رسم تعزیت ادا کرتے ہیں اور مرحوم کی مغفرت اعلیٰ مدارج حاصل ہونے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا ہونیکی دعا کرتے ہیں مرحوم کی صحت کچھ (عرصہ) سے خراب رہتی تھی اور قلبی تکلیف کا دورہ ہو جاتا تھا۔ مولانا نے ۳ صاحبزادے اور ۲ صاحبزادیاں اپنی یادگار چھوڑیں۔

باہتمام سید توسل حسین یونائیٹڈ انڈیا برقی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر سید محمد مشیر الدین نے دفتر کاکوری اخبار واقع مولوی محلہ دلال ہل، کاکوری سے شائع کیا